انتہا پسندی: خاندانی نظام کی کمزوریوں اور سماجی بگاڑ کا تجزیاتی جائزہ

Extremism: An Analytical Study of Family System Vulnerabilities and Social Disintegration

DOI: https://doi.org/10.5281/zenodo.17694236

*Sara Bhutta
**Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari

Abstract

This study critically analyzes the impact of extremism on the stability of family structures and the broader social fabric. It explores how extremist ideologies infiltrate domestic life, weakening familial bonds, disrupting communication, and fostering an environment of fear, intolerance, and psychological stress. The research further examines the social consequences of such ideologies, including polarization, breakdown of community cohesion, erosion of mutual trust, and the rise of violence and discrimination. Drawing on contemporary scholarship and Islamic teachings, the study highlights the underlying causes that allow extremism to penetrate social systems and proposes comprehensive strategies—educational, ethical, and community-based—to counter its influence. The findings underscore the urgent need for balanced intellectual frameworks and strong moral values to safeguard families and societies from the destructive effects of extremism.

Keywords: *Extremism; Family Structure; Social Disintegration; Domestic Stability; Community Cohesion; ; Islamic Teachings; Social Harmony; Violence; Psychological Impact.*

مسلم معاشروں میں خاندانی انتشار دراصل انتہا پسندی کے براہِ راست اثرات میں سے ایک ہے۔ انتہا پسندی ایک ایسا رویہ ہے جو انسانی معاشرے کے توازن، ہم آہنگی اور اخلاقی استحکام کو مجروح کر دیتا ہے۔ یہ رویہ فرد کی فکری اور عملی زندگی کو شدت، تعصب اور عدم برداشت کی راہ پر ڈال دیتا ہے، جس کے نتیجے میں معاشرتی اور خاندانی تعلقات بگڑنے لگتے ہیں۔ گھر، جو محبت، احترام اور تعاون کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، انتہا پسندی کے اثر سے نفرت، جبر اور فکری تضاد کا مرکز بن جاتا ہے۔ ایسے معاشرے میں مکالمہ ختم ہو جاتا ہے اور اختلاف رائے دشمنی میں بدل جاتا ہے۔ افراد کے [1] درمیان اعتماد کی فضا مٹ جاتی ہے، جس سے خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے۔

....

*PhD Scholar ,NUML,Islamabad
** Assciate Professor,NUML,Islamabad

بچوں کی تربیت میں توازن اور برداشت کا عنصر ختم ہو کر ان میں نفسیاتی دباؤ اور انتقامی جذبات پیدا کر دیتا ہے۔ انتہا پسندی یوں معاشرتی وحدت، خاندانی استحکام اور انسانی اقدار کو کھوکھلا کر کے ایک ایسے ماحول کو جنم دیتی ہے جہاں محبت، رواداری اور امن کی جگہ نفرت، تفرقہ اور تشدد لے لیتے ہیں۔

انتہا پسندی کا رجحان جہاں فرد کی فکری و اخلاقی ساخت کو متاثر کرتا ہے، وہیں یہ خاندانی اور سماجی زندگی کے توازن، اعتماد اور ہم آہنگی کو بھی گہرائی سے مجروح کر دیتا ہے۔ خاندان، جو معاشرے کی بنیادی اکائی ہے، انتہا پسندانہ رویوں کے زیرِ اثر محبت و تعاون کے بجائے جبر، نفرت اور فکری تقسیم کا شکار ہو جاتا ہے، اور یہی بگاڑ رفتہ رفتہ پورے معاشرتی نظام میں پھیل کر امن، برداشت اور باہمی احترام کی بنیادوں کو کمزور کر دیتا ہے۔ اگر کوئی خاندان یا فرد انتہا پسندی یا غلو کی گرفت میں آ جائے، تو خاندانی زندگی پر نقصانات مرتب ہو سکتے ہیں:

محبت و حسنِ سلوک کا فقدان

انتہا پسندی ایک ایسا رویہ ہے جو فرد کی سوچ، طرزِ عمل اور تعلقات کو شدت اور عدمِ برداشت کی راہ پر لے جاتا ہے۔ جب یہ رجحان کسی معاشرے میں جڑ پکڑ لیتا ہے تو وہ نہ صرف اجتماعی امن و سکون کو متاثر کرتا ہے بلکہ خاندانی نظام کی بنیادوں کو بھی ہلا دیتا ہے۔ خاندان، جو محبت، رواداری اور باہمی احترام کا گہوارہ ہوتا ہے، انتہا پسند سوچ کے زیرِ اثر اختلاف، نفرت اور بے اعتمادی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے ماحول میں مکالمے کی جگہ الزام تراشی، اور شفقت کی جگہ سختی لے لیتی ہے۔ نتیجتاً والدین اور اولاد کے درمیان فکری فاصلے بڑھتے ہیں، ازدواجی تعلقات کمزور پڑتے ہیں، اور معاشرتی ہم آہنگی بکھرنے لگتی ہے۔ انتہا پسندی کی یہ کیفیت صرف مذہبی نہیں بلکہ فکری، سیاسی اور ثقافتی دائرے میں بھی ظاہر ہوتی ہے، جو خاندان کی اجتماعی تربیت اور سماجی یکجہتی کے لیے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں اس کے سماجی و خاندانی اثرات کو دلائل کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾[1]-

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانہ (اعتدال پسند) امت بنایا۔

اس آیت میں امتِ مسلمہ کو اعتدال اور توازن کی صفت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب انسان یا خاندان دین یا دنیا کے معاملات میں افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں، تو اعتدال کی یہ خصوصیت ختم ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً گھرانوں میں سخت گیری، الزام تراشی، اور رواداری کی کمی پیدا ہوتی ہے، جو بالآخر خاندانی انتشار کا باعث بنتی

ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ))۔[2]

دین میں غلو(انتہا پسندی) سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو غلو ہی نے ہلاک کیا۔

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ انتہا پسندی صرف مذہبی بگاڑ نہیں بلکہ سماجی و اخلاقی تباہی کا ذریعہ بھی ہے۔ جب خاندان کے

افراد اپنے نظریات یا طرزِ عبادت کو دوسروں پر زبردستی نافذ کرنے لگتے ہیں، تو اعتماد، محبت، اور اتفاق کی فضا ٹوٹ جاتی ہے۔ یہی خاندانی انتشار کی جڑ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"لَا تَرَى الْجَاهِلَ إِلَّا مُفْرِطًا أَوْ مُفَرِّطًا "۔[3]

تم کسی جاہل کو نہیں دیکھوگے مگر وہ یا تو حد سے بڑھا ہوا ہوگا یا حد سے کم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول انسانی رویّوں کے توازن کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ جہالت اور انتہا پسندی ایک دوسرے سے جڑی ہیں ۔جب گھر کے افراد علم و فہم سے دور ہو جائیں اور سختی یا لاپرواہی کی انتہا پر چلے جائیں، تو خاندانی اختلافات جنم لیتے ہیں۔ غلو اور شدت پسندی عاطفی توازن کو بگاڑ دیتی ہے، جہاں فرد کی محبت یا شفقت جذباتی جنگلات کی طرح بن جائے گی، یا جذبات سرد و سخت ہو جائیں گے، اور خاندان میں گرم جوشی و قربانی کم ہو جائے گی۔ انتہا پسندی کے خاندانی زندگی پر اثرات میں محبت و حسنِ سلوک کا نقصان در حقیقت ایک بنیادی اثر ہے۔

امام حسن البصری(110ھ) کا قول"ما ازداد عبدٌ تشدُّدًا في الدين إلا ازداد من الخلق بُعدًا "[4] .

جو شخص دین میں سختی اختیار کرتا ہے، وہ لوگوں سے دور ہوتا جاتا ہے۔

یہ قول خاندانی تعلقات کے لیے نہایت موزوں ہے، کیونکہ جب فرد شدت اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے قریبی رشتہ داروں سے بھی سختی برتتا ہے، اور محبت و حسنِ سلوک ختم ہو جاتا ہے۔ انتہا پسندی انسان کو عبادت گزار تو بنا سکتی ہے مگر رحم دل نہیں۔ ایسے میں خاندانی زندگی محبت اور نرمی سے خالی ہو جاتی ہے۔

امام جعفر الصادق اس حوالے سے (148ھ) بیان کرتے ہیں:

"لا خير في عبادةٍ لا تورثُ رحمةً، ولا في علمٍ لا يزيدُ صاحبه تواضعًا "[5] . .

اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو رحمت پیدا نہ کرے، اور اس علم میں کوئی برکت نہیں جو حامل کو عاجزی نہ سکھائے۔

دین میں غلو انسان کے باطن میں ایسی سختی پیدا کرتا ہے جو رفتہ رفتہ دل کی نرمی اور رحمت کے جذبات کو زائل کر دیتی ہے۔ جب انسان دین کے فہم میں اعتدال سے ہٹ کر شدت اختیار کرتا ہے تو اس کی عبادت رسم بن جاتی ہے اور اس

کے اخلاق سے حلم و شفقت ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم نے اہلِ ایمان کو ''غلُو'' سے بچنے کا حکم اسی لیے دیا کہ دین کی روح محبت، توازن اور نرمی میں پوشیدہ ہے۔ کیونکہ یہی غلوامتوں کی ہلاکت کا سبب بنا۔ جب دل سخت ہو جائے تو بندہ نصیحت قبول نہیں کرتا، نہ دوسروں کی خطا پر در گزر کرتا ہے۔ غلوانسان کو عدل سے دور اور تکفیر و تفرقہ کے قریب کر دیتا ہے۔ نرمی اور محبت ہی وہ اقدار ہیں جن سے دین کی اصل روح زندہ رہتی ہے، اور انہی کے ذریعے معاشرہ رحمت و الفت کا گہوارہ بنتا ہے۔

امام الغزالی(505ھ) بیان کرتے ہیں:

"الغلو في الدين يوجب القسوة، والقسوة تُذهب الرِّقَّةَ والمودَّةَ بين الناس "[6].

دین میں غلو سخت دلی پیدا کرتا ہے، اور سخت دلی لوگوں کے درمیان نرمی اور محبت کو زائل کر دیتی ہے۔

یہ قول براہِ راست واضح کرتا ہے کہ انتہا پسندی (غلو) سے دلوں میں سختی آتی ہے، جو خاندانی زندگی میں سب سے پہلے محبت و مودّت کو ختم کر دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باہمی تعلقات ٹھنڈے اور بے روح ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام احکام کو عدل، رحمت اور توازن کے اصول پر قائم فرمایا ہے تاکہ انسانی معاشرہ محبت، خیر خواہی اور استقامت کے ساتھ چلتا رہے۔ جب انسان دینی یا دنیاوی معاملات میں غلو اور انتہا پسندی اختیار کرتا ہے تو وہ اس الٰہی توازن سے ہٹ جاتا ہے۔ غلو دلوں میں سختی، ضد اور تعصب پیدا کر دیتا ہے، جس کے نتیجے میں باہمی شفقت اور رشتہ داری کا احترام ختم ہونے لگتا ہے۔ خاندان کے افراد، جو ایک دوسرے کے سہارے اور محبت کے محتاج ہوتے ہیں، شدت پسند رویوں کے باعث دوری اور نفرت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ گھر جو سکون و رحمت کا مرکز ہونا چاہیے، اختلاف اور اضطراب کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اسلام کا مزاج اعتدال اور نرمی پر مبنی ہے، اس لیے دین نے کسی بھی حکم میں افراط یا تفریط سے منع کیا ہے۔ اعتدال ہی وہ صفت ہے جو رشتوں کو جوڑتی اور دلوں کو نرم رکھتی ہے۔ چنانچہ جو دل عدل و رحمت سے خالی ہو جائے، وہ غلو کے اندھیروں میں کھو جاتا ہے۔

امام ابن قیم الجوزیہ(751ھ) لکھتے ہیں: الدين كله خُلُق، فمن زاد عليك في الخلق زاد عليك في الدين "[7].

پورا دین دراصل اخلاق ہی ہے، لہٰذا جو شخص اخلاق میں تم سے بہتر ہے، وہ دین میں بھی تم سے بہتر ہے۔

ائمہ کے اقوال سے واضح ہوتا ہے غلو اور انتہا پسندی دلوں کی نرمی، مودّت اور حسنِ سلوک کو ختم کر دیتی ہے انتہا پسندی جب دلوں سے نرمی اور حسنِ سلوک چھین لیتی ہے تو درحقیقت دین کا جوہر (اخلاق) ضائع ہو جاتا ہے۔ اس سے خاندانی محبت، شفقت اور باہمی احترام ختم ہو جاتا ہے، اور گھر میں سختی و نفرت کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اور جب انسان اپنے نظریے

یا عمل میں شدت اختیار کرتا ہے تو وہ دوسروں، حتیٰ کہ اپنے گھر والوں سے بھی در گزر اور شفقت کا رویہ کھو دیتا ہے۔ نتیجتاً خاندانی نظام میں محبت کی جگہ نفرت، رحم کی جگہ سختی، اور گفت و شنید کی جگہ جبر و الزام لے لیتا ہے۔

برداشت ورواداری کا خاتمہ

انتہاپسندی ایک ایسا رویہ ہے جو فکری تنگی اور جذباتی شدت کو جنم دیتا ہے، جس کے نتیجے میں برداشت اور رواداری جیسے اعلیٰ اخلاقی اوصاف کمزور پڑ جاتے ہیں۔ جب انسان اپنے نظریے یا مسلک کو مطلق حق سمجھنے لگتا ہے اور دوسروں کی رائے کو رد کر دیتا ہے، تو معاشرتی ہم آہنگی کی بنیادیں ملنے لگتی ہیں۔ برداشت کا خاتمہ دراصل دلوں کی سختی اور فکر کی جمود کا نتیجہ ہے، جو انسان کو دوسرے کی بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتا ہے۔ رواداری نہ صرف ایک سماجی قدر ہے بلکہ اسلامی اخلاقیات کا بنیادی ستون بھی ہے، جو امتِ مسلمہ کو اتحاد، محبت اور باہمی احترام کا درس دیتی ہے۔ انتہاپسندی اس ستون کو گرا دیتی ہے، جس سے معاشرہ نفرت، تعصب اور انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن و سنت نے ہمیشہ میانہ روی، حلم اور نرمی کو اپنانے کا حکم دیا ہے تاکہ اختلاف رحمت بنے، عذاب نہیں۔ اسلام کا حقیقی مزاج یہی ہے کہ انسان عدل، احترام اور برداشت کے ساتھ زندگی گزارے۔ جب خاندان کے افراد ایک دوسرے کے نظریات یا اعمال پر افراط یا شدت پسند نقطہ نظر اپناتے ہیں، اختلافِ رائے برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا، اور جھگڑے اور دراڑیں پیدا ہوں گی۔

امام ابن تیمیہ (728ھ) لکھتے ہیں:

"ما أُمر العبدُ بشيءٍ إلا وقرنَه الله بالعدل والرحمة، لأنّ الغلوَّ في الأمر يُفسد القلوبَ ويقطع الأرحام (8)"

اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس چیز کا بھی حکم دیا ہے، اسے عدل اور رحمت کے ساتھ جوڑا ہے، کیونکہ کسی معاملے میں غلو دلوں کو خراب کر دیتا ہے اور رشتوں کو کاٹ دیتا ہے۔

یہ قول واضح طور پر خاندانی تعلقات پر انتہاپسندی کے اثر کو بیان کرتا ہے۔ جب غلو پیدا ہوتا ہے تو دلوں کی نرمی ختم اور رشتوں میں دوری پیدا ہو جاتی ہے۔ غلو کی حالت میں انسان کی سوچ سخت ہو جاتی ہے، نرم روی ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ رحمت و شفقت کا جزو شدت پسندی میں کمزور پڑ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں خاندانی افراد کی محبت اور حسنِ سلوک متاثر ہوتے ہیں: گفتگو نرم نہیں رہتی، اختلاف برداشت نہیں ہوتا، اور محبت و شفقت کی جگہ الزام، سختی، اور احترام کی کمی لے لیتی ہے۔ ایسے خاندانوں میں افراد رہتے ہوئے ذہنی سکون کھو دیتے ہیں، خوف، تشویش اور کشمکش کا شکار ہو جاتے ہیں، جو رشتوں کو کمزور کرتی ہے۔

نفسیاتی کشیدگی اور اضطراب

انتہا پسندی ایک ایسا غیر متوازن رویہ ہے جو انسان کی فکری، جذباتی اور نفسیاتی دنیا کو گہرے اثرات میں لے آتا ہے۔ جب کوئی فرد یا گروہ شدت پسندی اختیار کرتا ہے تو اس کی سوچ میں تنگ نظری اور سختی پیدا ہو جاتی ہے، جو ذہنی دباؤ، بے چینی اور عدمِ اطمینان کا باعث بنتی ہے۔ انتہا پسندانہ فکر انسان کو دوسروں سے جدا کر دیتی ہے، جس کے نتیجے میں تنہائی، خوف اور مسلسل اضطراب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ انتہا پسندی میں ہر چیز کو یا تو بالکل درست یا مکمل باطل سمجھا جاتا ہے، اس لیے انسان کے اندر توازن اور سکون ختم ہو جاتا ہے۔ ایسا فرد مسلسل فکری کشمکش اور جذباتی تناؤ میں مبتلا رہتا ہے۔ معاشرتی مخالفت یا اختلافِ رائے کو برداشت نہ کر پانے کی صلاحیت اسے مزید ذہنی دباؤ میں مبتلا کر دیتی ہے۔ بالآخر یہ کیفیت نہ صرف اس کی اپنی نفسیاتی صحت بلکہ اس کے خاندانی اور سماجی تعلقات کے لیے بھی خطرہ بن جاتی ہے۔ اسلام کا مزاج اعتدال اور سکونِ قلب پر مبنی ہے، جبکہ انتہا پسندی اس سکون کو چھین لیتی ہے۔

ابن القیم الجوزیہ قول ہے:

"فِي الْقَلْبِ شَعَثٌ لا يَلُمُّهُ إِلَّا الإِقْبَالُ عَلَى اللَّهِ،وَفِيهِ وَحْشَةٌ لا يُزِيلُهَا إِلَّا الأُنْسُ بِهِ فِي خَلْوَتِهِ، وَفِيهِ حُزْنٌ لا يُذْهِبُهُ إِلَّا السُّرُورُ بِمَعْرِفَتِهِ وَصِدْقِ مُعَامَلَتِهِ،وَفِيهِ قَلَقٌ لا يُسَكِّنُهُ إِلَّا الاِجْتِمَاعُ عَلَيْهِ وَالفِرَارُ مِنْهُ إِلَيْهِ ." (9)

دل میں ایک بکھراؤ ہے جسے صرف اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے سنوارا جا سکتا ہے، اور اس میں ایک تنہائی ہے جسے صرف اللہ کی خلوت میں اس سے انس پیدا کرنے سے دور کیا جا سکتا ہے، اور اس میں ایک غم ہے جسے صرف اس کی معرفت اور سچی بندگی سے خوشی میں بدلا جا سکتا ہے، اور اس میں ایک اضطراب ہے جسے صرف اللہ کی طرف رجوع اور اسی کی پناہ میں قرار حاصل ہوتا ہے۔

یہ قول روحانی و نفسیاتی سکون کے اسلامی مفہوم کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتا ہے۔ اور یہی مفہوم انتہا پسندی سے پیدا ہونے والے اضطراب کے علاج کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے، کیونکہ دل کا سکون اعتدال، ایمان، اور معرفتِ الٰہی میں ہے، نہ کہ شدت یا غلو میں۔ یہ قول واضح طور پر اضطرابِ قلب و روح کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور بتاتا ہے کہ اللہ کی یاد و تعلق ہی یہ اضطراب دور کرنے کا وسیلہ ہے۔

امام غزالی کے نزدیک ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اعتدال اور سکون کا راستہ اپنائے۔ انتہا پسندی چونکہ انسان کو جذباتی حدت، غصہ، اور نفرت کے راستے پر ڈال دیتی ہے، اس لیے یہ سکونِ قلب کے منافی ہے۔ مومن کا توازن اور سکون، غلو کے مقابل میں بہترین علاج ہے۔ محمد الغزالی کا قول ہے:

المؤمن يختار أقرب الطرق إلى السكينة والرشد[10] مومن وہ راستے اختیار کرتا ہے جو سکون ورشد کے قریب ہوں۔

انتہاپسندی دراصل اسی اضطرابِ قلب کی علامت ہے جو اللہ سے تعلق کمزور ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔جب انسان اپنی توجہ عبادت، عدل اور رحم سے ہٹا کر شدت اور مخالفت کی طرف موڑ لیتا ہے، تو اس کا دل سکون کھو دیتا ہے۔ابن القیم کے مطابق یہ روحانی اضطراب، فکری غلو کی جڑ ہے۔

ابن القیم الجوزیہ کا قول:

"من وطن قلبه عند ربه سكن واستراح،ومن أرسله في الناس اضطرب واشتد به القلق"[11] .

جس نے اپنا دل اللہ کے نزدیک ٹھہرایا، وہ سکون اور آرام پاتا ہے؛ اور جس نے دل کو لوگوں کے معاملات میں مصروف کر دیا، اس کی کشمکش واضطراب بڑھ جاتا ہے۔

انتہاپسند افراد عام طور پر ''اللہ پر توکل'' کے بجائے ''اپنی رائے'' کو مطلق بنا لیتے ہیں۔یہی ان کی نفسیاتی بے چینی کی بنیاد ہے۔یعنی تسلیم ورضا ہی ذہنی دباؤ کو دور کرتی ہے، جبکہ غلو اور خود ساختہ سختی انسان کو فکری جمود اور نفسیاتی کشمکش میں مبتلا کر دیتی ہے۔اس بارے میں ابن القیم لکھتے ہیں:

"فألقى نفسه بين يديه،وسلَّم الأمر كله إليه فاستراح حينئذٍمن الهموم والغموم والأنكادوالحسرات . "[12]

جب بندہ اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، تبھی اسے حقیقی راحت، سکون اور غموں سے نجات ملتی ہے۔

ایک دوسری جگہ ابن القیم لکھتے ہیں:

"إن من عرف الله أحبه … وانكشفت عن قلبه، الهموم والغموم والأحزان عمر قلبه بالسرور والأفراح . "[13]

بے شک جس نے اللہ کو جانا وہ اُس سے محبت کرے گا۔اور اُس کے دل سے غم، الم اور حزیں یاں دور ہو جائیں گی … اُس کا دل خوشیوں اور فرحتوں سے آباد ہو جائے گا۔

انتہاپسندی کی اصل جڑ معرفتِ الٰہی سے غفلت ہے۔جب بندہ اپنے خالق کی رحمت اور حکمت کو پہچانتا ہے، تو اس کے دل میں سختی، تکفیر اور نفرت کی جگہ نہیں رہتی۔محبت الٰہی دل کو وسعت دیتی ہے جبکہ "غلو" دل کو تنگ کر دیتا ہے۔اس لیے ابن القیم کا یہ قول شدت پسندی کے روحانی علاج کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

الشیخ الدکتور یوسف القرضاوی قول ہے:

"وأولى هذه الثمار: سكينة النفس، وطمأنينة القلب، التي يشعر بها المتوكل على ربه "[14] .

اور ان میں سے پہلا پھل ہے نفس کی سکون اور قلب کی طمانینہ ، جو اس پر محسوس ہوتی ہے جو اپنے رب پر توکل کرتا ہے۔ یعنی نفس کا سکون اور دل کا اطمینان اللہ پر توکل کا پھل ہے۔انتہا پسند ذہن ہمیشہ خوف، غصہ اور غیر یقینی میں جیتا ہے۔اسے دنیا اور دوسروں پر اعتماد نہیں رہتا کیونکہ اس کا توکل منقطع ہو چکا ہوتا ہے۔ دل کی طمانینہ صرف اللہ پر توکل سے آتی ہے۔ جبکہ شدت پسند کا نفس شک اور نفرت سے بھرا ہوتا ہے، جو اس کے ذہنی دباؤ کی اصل بنیاد ہے۔ائمہ کے یہ اقوال واضح کرتے ہیں کہ انتہا پسندی صرف فکری یا عملی مسئلہ نہیں، بلکہ روحانی و نفسیاتی بیماری بھی ہے۔ یہ سکونِ قلب، رواداری اور حسنِ سلوک کو ختم کر دیتی ہے،اور یہ ہے کہ دل کا سکون صرف توکل، معرفتِ الٰہی اور عدل کے ذریعے ممکن ہے۔

انتہا پسندی معاشرے کو مختلف گروہوں اور فرقوں میں بانٹ دیتی ہے، جس سے باہمی نفرت اور تصادم بڑھتا ہے۔انتہا پسندی کا ایک نمایاں اور خطرناک پہلو سماجی تقسیم ہے، جو معاشرے کے اتحاد اور باہمی اعتماد کو متزلزل کر دیتا ہے۔ جب کسی قوم میں شدت پسند نظریات فروغ پاتے ہیں تو وہ برداشت اور رواداری کی بجائے اپنے عقائد، نظریات یا سیاسی مفادات کو دوسروں پر مسلط کرنے لگتی ہے۔اس رویے سے اختلافِ رائے دشمنی میں اور فکری تنوع نفرت میں بدل جاتا ہے۔ نتیجتاً معاشرہ مختلف گروہوں، مسالک، اور طبقات میں بٹ جاتا ہے، جن کے درمیان باہمی تصادم اور عدمِ اعتماد کی دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ایسے حالات میں اجتماعی فلاح، قومی یکجہتی اور انسانی اخوت کے اصول پسِ پشت چلے جاتے ہیں۔انتہا پسندی انسان کو وسیع تر سماجی مفاد سے ہٹا کر تعصب، نفرت اور خود پسندی کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔ یہی تقسیم معاشرتی استحکام، ترقی اور امن و محبت کے فروغ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ اس کے اسباب اور اثرات کو دلائل کی روشنی میں سمجھا جائے۔ثابت ہوتا ہے کہ انتہا پسندی انسانیت، معاشرہ اور خاندانی نظام کو کس قدر تباہی کی راہ پر لے جاسکتی ہے۔

معاشرت سے مراد معاشرے میں رہنے والے تمام افراد کا آپس میں باہمی تعلق ہے۔اس معاشرتی زندگی میں مختلف مذاہب، رنگ و نسل اور عقائد و افکار کے لوگ باہمی میل جول سے مختلف رسم و رواج کے تحت ساتھ اپنی زندگی گزارتے ہیں۔اسلام آپس میں باہمی رواداری، سلوک و اتفاق سے زندگی بسر کرنے کا سبق دیتا ہے۔ یہ ظاہری تضادات معاشرے کے قدرتی حُسن کی عکاسی کرتے ہیں وہیں پر یہ تضادات بالواسطہ یا بلاواسطہ اندرونی اور بیرونی خلفشار کا باعث بھی بنتے ہیں جن سے انفرادی اور اجتماعی معاشرتی زندگی متاثر ہوتی ہے اور بہت سے مسائل اور دقتیں جنم لیتی ہیں۔ معاشرے کا مقصد ہے کہ ان انفرادی اور اجتماعی اختلاف سے اجتناب کیا جائے تاکہ پرامن اور مثالی معاشرت قائم ہو سکے۔ لیکن اگر افراد غیر صحت مندانہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے لگیں تو معاشرے میں انتشار اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

انتہا پسندی محض ایک رویے کا نام ہے اور اس سے جنم لینے والے اعمال کو دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے۔ مگر ایسا کہنا بھی مناسب نہیں کہ ہر انتہا پسند دہشت گرد بھی ہو یا ہر دہشت گرد انتہا پسند بھی ہو۔ اور مغربی نقطۂ نظر سے ہر داڑھی رکھنے والے انسان اور حجاب کرنے والی عورت کو انتہا پسند تصور کرنا بھی غلط ہو گا۔ اگرچہ پاکستان کی عوام دین سے بہت محبت کر تی ہے اور اس کے بتلائے ہوئے شعائر پر عمل کرنا اپنا دینی حق اور فرض عین تصور کرتی ہے۔ مگر اس کا مطلب ہر گز نہیں کہ وہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کی تصدیق بھی کرے۔ معاشرے میں انتہا پسندی کی ایک بڑی وجہ معاشرتی ناانصافی ہے۔

اسلام کے اعتدال پسند مزاج کی گہری تعبیر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ دین، عقائد یا اعمال میں میانہ روی چھوڑ کر افراط یا غلو کا راستہ اپناتے ہیں، وہ بالآخر گمراہی اور ہلاکت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انتہا پسندی انسان کو توازن، عقل اور انصاف سے محروم کر دیتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ یا تو دین میں ناجائز سختی کرتا ہے یا بالکل بے راہ روی اختیار کر لیتا ہے۔ اصل فضیلت اعتدال اور حکمت میں ہے، نہ کہ شدت یا نرمی کی انتہا میں۔ شریعت کا مقصد انسان کی اصلاح اور سماج کا توازن ہے، جبکہ انتہا پسندی اس توازن کو برباد کر دیتی ہے۔ غلو خواہ عبادت میں ہو یا دشمنی میں، دونوں صورتوں میں انجام آگ ہے۔ لہٰذا نجات ان کے لیے ہے جو حدودِ الٰہی کے اندر رہ کر عمل کرتے ہیں، اور ہر معاملے میں عدل، اعتدال اور حکمت کو اپنا شعار بناتے ہیں۔

حضرت علیؓ کا قول ہے: "النّار غايَةُ المُفْرِطينَ"(15)۔ آگ (جہنم) انتہا پسندی کرنے والوں کا انجام ہے۔

یہ کلمہ حضرت علیؓ کی حکمت و بصیرت کا عکاس ہے۔ اس میں انتہا پسندی، غلو اور افراط سے بچنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔ جو لوگ دین، عقیدہ یا عمل میں اعتدال چھوڑ کر افراط کا راستہ اختیار کرتے ہیں، ان کا انجام جہنم ہے۔ اسلام میں توازن، اعتدال اور میانہ روی کو اصل قرار دیا گیا ہے، جبکہ افراط و تفریط گمراہی اور ہلاکت کا سبب بنتے ہیں۔

غلو نہ صرف عقیدہ کو بگاڑتا ہے بلکہ معاشرتی تعزیرات، انتشار، فرقہ بندی اور تشدد کا سبب بنتا ہے۔ غلو نے پچھلی امتوں کو تباہ کیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "هَلَكَ فِيَّ رَجُلانِ: مُحِبٌّ غالٍ، ومُبغِضٌ قالٍ"(16)۔

میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوئے: ایک وہ جو مجھ سے محبت میں حد سے بڑھ گیا (غلو کیا)

، اور دوسرا وہ جو مجھ سے دشمنی میں حد سے آگے بڑھ گیا۔

یہ قول حضرت علیؓ کی گہری بصیرت اور امت کے باطنی حال پر روشنی ڈالتا ہے۔ آپؓ نے واضح فرمایا کہ میری محبت میں غلو کرنے والے اور میری دشمنی میں حد سے تجاوز کرنے والے دونوں راہِ حق سے بھٹک گئے — کیونکہ محبت اگر

اعتدال سے نکل جائے تو شرک اور بدعت کی طرف لے جاتی ہے، اور دشمنی اگر حد سے بڑھ جائے تو کفر و نفاق کی طرف۔ اس میں امت کے لیے اعتدال، انصاف اور میانہ روی کا گہرا درس پوشیدہ ہے۔

آنحضرت کا ﷺ ارشاد ہے:

"يا علي، إنَّ فيك مثلاً من عيسى بن مريم: أحَبَّهُ قومٌ فأفرطوا في حبه، فهلكوا فيه، وأبغضه قوم فأفرطوا في بغضه "(17)۔

اے علی! تم میں حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی ایک مثال ہے؛ ایک گروہ نے ان سے محبت میں حد سے تجاوز کیا تو اسی (غلو) میں ہلاک ہوگیا، اور ایک گروہ نے تم سے بغض میں حد سے بڑھ کر دشمنی کی تو وہ بھی ہلاک ہوگیا۔

یہ حدیث حضرت علی کی شخصیت کے اعتدال پر مبنی مقام و مرتبہ کو واضح کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بعض لوگوں نے محبت میں غلو کیا اور بعض نے نفرت میں حد سے تجاوز کیا، اسی طرح تمہارے بارے میں بھی امت دو انتہاؤں میں بٹ جائے گی۔ ایک گروہ تمہیں الوہیت کے درجہ تک پہنچا دے گا اور دوسرا تم سے بغض رکھ کر تمہارے فضائل کا انکار کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نہ خدا ہیں، نہ نبی، بلکہ نبی ﷺ کے برحق خلیفہ، عظیم صحابی اور اہلِ ایمان کے لیے محبت و احترام کے لائق ہیں۔ اس حدیث میں افراط و تفریط دونوں سے بچنے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ محبت کا تقاضا اطاعت و اتباع ہے، نہ کہ غلو۔ بغض کا نتیجہ انکارِ حق اور ہلاکت ہے۔ لہٰذا امت کے لیے راہِ نجات وہی ہے جو اعتدال، محبت اور حق پسندی پر قائم ہو۔

یہ حدیث افراط و تفریط کے بارے میں نہایت اہم ہے۔ نبی ﷺ نے اس میں امت کو تنبیہ فرمائی کہ حضرت علیؓ کے بارے میں نہ غلو کیا جائے اور نہ بغض، بلکہ اعتدال و محبت کے راستے پر رہا جائے۔

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ محبت یا نفرت میں زیادتی کس طرح عقلی توازن کو بگاڑتی ہے، اور خاندان و معاشرہ میں منافرت، گروہ بندی، اور تصادم کو جنم دیتی ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا قول ہے۔

"يجب أن تتجنبوا التغير في أمر دين الله فوحدتكم في خصوص حق تكرهونها خير لكم من تفرقكم في خصوص باطل تحبونه"(18)۔

تمہیں چاہیے کہ اللہ کے دین کے معاملے میں تبدیلی سے بچو، کیونکہ تمہاری وہ وحدت جس میں تمہیں (کچھ) ناپسندیدہ باتیں ہوں، تمہاری اس تفرقہ بازی سے بہتر ہے جس میں تمہیں (باطل کے) کچھ پہلو پسند آئیں۔

یہ قول اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ اللہ کے دین میں اپنی رائے یا خواہش کے مطابق تبدیلی کرنا سخت نقصان دہ ہے، کیونکہ دین کی اصل حفاظت میں ہی امت کی بھلائی ہے۔ یہ بات بھی سمجھائی گئی ہے کہ اگر اتحاد کی حالت میں کچھ ایسی باتیں ہوں جو انسان کو ناپسند ہوں، تو بھی وہ اتحاد کہیں بہتر ہے۔ اس کے برعکس اگر اختلاف اور تفرقہ بازی ایسی صورت میں ہو جس میں کچھ پہلو اچھے لگتے ہوں، تب بھی وہ نقصان دہ ہے کیونکہ اس سے امت بکھر جاتی ہے۔ اسلام میں اجتماعیت اور وحدت کو انتہائی اہم مقام حاصل ہے، کیونکہ بکھری ہوئی امت کمزور ہو جاتی ہے۔ لہٰذا دین میں تبدیلی اور تفرقے کے راستے کے بجائے، اتحاد، صبر اور اصولوں کی پابندی ہی امت کی طاقت اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔

تشدد کا فروغ

جب کسی معاشرے میں فکری اختلاف کو دلائل و مکالمے کے بجائے تشدد اور زور زبردستی سے حل کرنے کا رجحان عام ہو جاتا ہے، تو اس کا نتیجہ فکری جمود اور اجتماعی اضطراب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے ماحول میں انسان کی رائے کا احترام ختم ہو جاتا ہے، برداشت کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے، اور ہر مختلف سوچ رکھنے والا شخص خوف کا شکار ہو جاتا ہے۔ تشدد فکری آزادی کو سلب کر کے انسان کو جبر و نفرت کے دائرے میں قید کر دیتا ہے، جس سے دلوں میں بدگمانی، انتقام اور اضطراب بڑھتا ہے۔ امن و سکون، جو کسی بھی معاشرتی استحکام کی بنیاد ہے، رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے۔ افراد ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں، خاندانوں اور طبقات میں تقسیم پیدا ہوتی ہے، اور معاشرہ اجتماعی نفسیاتی دباؤ کی گرفت میں آ جاتا ہے۔ اسلام نے اسی لیے اختلاف کو رحمت قرار دیا اور تشدد کے بجائے گفتگو اور عدل کے ذریعے حل کرنے کی تعلیم دی، تاکہ دلوں میں امن اور ذہنوں میں اطمینان برقرار رہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا ہے۔ یہ ان کے ایک خطبے یا مکتوب کے حصے کے طور پر منقول ہے، جس میں انہوں نے امت کو اتحاد پر قائم رہنے اور شیطانی وسوسوں سے بچنے کی نصیحت کی۔

"وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَسَّرَ لَكُمْ سُبُلَهُ، وَأَرَادَ بِنَفْسِكُمْ فَتْنَةً تُفَتِّتُكُمْ مِنَ الْوَحْدَةِ، فَاجْتَنِبُوا أَفْكَارَهُ وَسِحْرَهُ"(19)۔

اور بے شک شیطان نے تمہارے لیے اپنے راستے آسان کر دیے ہیں، اور وہ تمہاری ذات کے بارے میں ایک ایسی آزمائش چاہتا ہے جو تمہیں تمہاری وحدت (اتحاد) سے جدا کر دے۔ لہٰذا تم اس کے خیالات اور اس کے فریب (جادو) سے بچو۔

جب لوگ فرقہ وارانہ رویّے اپنانے لگتے ہیں، یا کسی نظریے یا حکومت کے خلاف شدید ردّ عمل کا مظاہرہ شروع ہوتا ہے، تو اتحاد کا ٹوٹنا، معاشرتی بے اعتمادی اور فساد پیدا ہوتا ہے۔ انتہا پسندی کا اخلاقی و عقلی نقصان: عقیدہ و عبادت میں شدت پسندی انسانی فکر و جذبات کو متزلزل کر دیتی ہے، انسان کو وسطی پوزیشن سے دور کرتی ہے۔ یہ قول عمر بن عبدالعزیزؒ کی گہری بصیرت کی عکاس ہے کہ امت کی تفرقہ بازی دراصل شیطانی چالوں کا نتیجہ ہے، جس سے بچنا ہی ایمان اور وحدتِ امت کا تحفظ ہے۔

فکری اختلاف کو تشدد کے بجائے علم، حلم (بردباری)، اور گفتگو سے حل کرنا اسلام کا اصل منہج ہے۔ یہ اقوال اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ جب اختلاف میں غلو اور تشدد شامل ہو جاتا ہے تو معاشرہ اضطراب، خوف، اور انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ امام الشافعی کا قول ہے:

"ما ناظرتُ أحدًا إلا أحببتُ أن يُوفَّقَ ويُسَدَّدَ ويكونَ عليه رعايةٌ من الله وحِفظ"(20)

میں نے جب بھی کسی سے علمی مناظرہ کیا تو میری خواہش یہ ہوتی تھی کہ اللہ اسے ہدایت اور درست رائے عطا کرے اور وہ اللہ کی حفاظت میں رہے۔

امام شافعی کا یہ قول فکری اختلاف میں اخلاص، شفقت اور عدمِ تشدد کی تعلیم دیتا ہے۔ ان کے نزدیک مقصد کسی کو نیچا دکھانا نہیں بلکہ حق تک پہنچنا ہے۔ تشدد اس روح کو ختم کر دیتا ہے اور اختلاف کو عداوت میں بدل دیتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کا قول ہے:

"الناسُ محتاجون إلى مداراةٍ ورفقٍ، والأمرُ بالمعروفِ والنهيُ عن المنكرِ لا يكونُ بالعنفِ والشدة"(21)

لوگوں کو نرمی اور حسنِ سلوک کی ضرورت ہے، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سختی اور تشدد سے نہیں کیا جاتا۔

یہ قول واضح کرتا ہے کہ دین کی اصلاحی دعوت میں بھی اگر سختی شامل ہو جائے تو دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ تشدد فکری اصلاح کے بجائے انتشار اور اضطراب کا باعث بنتا ہے۔

امام حسن بصری کا قول ہے:

"ليس الإيمان بالتمنّي ولا بالتحلّي، ولكن ما وقر في القلب وصدّقه العمل، والمؤمن وقور، لا يَفحشُ ولا يجهلُ"(22)۔

ایمان آرزوؤں اور دعووں سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ دل میں رچنے اور عمل سے ثابت ہونے کا نام ہے، اور مومن وقار والا ہوتا ہے، نہ فحش کلام کرتا ہے نہ جہالت (تشدد) میں پڑتا ہے۔

تشدد اور جہالت ایمان کے خلاف صفات ہیں۔ فکری اختلاف اگر تشدد میں بدل جائے تو ایمان کے وقار کو مجروح کرتا ہے۔

امام مالک کا قول ہے: "كلٌّ يُؤخذُ من قولِه ويُردُّ، إلا صاحبَ هذا القبر (ﷺ)"(23)

ہر شخص کی بات لی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے، سوائے اس ہستی کے جو اس قبر (نبی ﷺ) میں آرام فرما ہیں۔

امام مالک □ کے اس قول سے اس اصول کی وضاحت کرتا ہے کہ اسلام میں معیارِ حق صرف نبی کریم ﷺ کی سنت اور تعلیمات ہیں۔ دنیا کے ہر عالم، محقق یا فقیہ کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور دلیل کی بنیاد پر رد بھی کی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ انسان ہیں اور غلطی کر سکتے ہیں۔ البتہ نبی ﷺ کی تعلیمات وحی کی روشنی میں ہیں، اس لیے ان میں غلطی یا تناقض کا امکان نہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ کی بات کو قطعی حجت اور باقی سب کی بات کو ظنی اور قابلِ نظرِ ثانی سمجھا جاتا ہے۔ یہ اصول امت کو فرقہ وارانہ تعصب سے بچاتا اور دین میں اعتدال، تحقیق اور دلیل پسندی کو فروغ دیتا ہے۔

اس قول سے فکری آزادی اور اختلافِ رائے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ جب یہ وسعتِ فکر ختم ہو جائے اور انسان اپنی رائے کو مطلق حق سمجھے، تو یہی شدت اور انتہا پسندی کا آغاز ہے۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

" إنَّ الدِّينَ كلَّه مبناه على العدل، فإذا خرج عن العدل إلى الظلم فليس من الدين"(24)

دین کی بنیاد عدل پر ہے، جب کوئی معاملہ عدل سے ہٹ کر ظلم بن جائے تو وہ دین کا حصہ نہیں رہتا۔

یہ عبارت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دین کا بنیادی ستون عدل ہے، اور جہاں عدل ختم ہو جاتا ہے وہاں دین کی روح بھی باقی نہیں رہتی۔ جب کوئی عمل انصاف کے دائرے سے نکل کر ظلم، زیادتی یا ناانصافی کی صورت اختیار کر لے تو وہ شریعت کے مقاصد کے خلاف ہو جاتا ہے۔ اسلام انسان، معاشرے اور ریاست کے ہر معاملے میں توازن، حق رسانی اور برابری کا حکم دیتا ہے۔ تشدد، جبر، انتقام اور ظلم جیسے رویے اس توازن کو بگاڑتے اور انسانی اقدار کو مجروح کرتے ہیں۔ لہٰذا دین کے نام پر کوئی بھی ایسا عمل جو عدل کے معیار پر پورا نہ اترے، دراصل دین سے متصادم ہے، نہ کہ اس کا حصہ۔ تشدد، ظلم اور جبر دراصل عدل کے منافی ہیں۔ جب فکری اختلاف میں انصاف اور حلم ختم ہو جائے تو مذہبی بنیاد پر نفرت اور معاشرتی اضطراب جنم لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک صحیح حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((الرفقُ ما كانَ في شيءٍ إلَّا زانَهُ، وما نُزِعَ من شيءٍ إلَّا شانَهُ))(25)

نرمی جس چیز میں ہوتی ہے، اسے زینت بخشتی ہے، اور جس چیز سے نکال دی جاتی ہے، اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔

اس حدیث میں نبی ﷺ نے واضح فرمایا کہ نرمی و برداشت انسانی رویوں کی زینت ہے، جبکہ شدت، غصہ، یا تشدد کسی بھی عمل یا فکر کو بدصورت بنا دیتا ہے۔ یہ حدیث براہِ راست انتہا پسندی کے خلاف ایک جامع اصول عطا کرتی ہے۔ اسی بنیاد پر علما نے کہا کہ افراط و تفریط کے بجائے رفق و اعتدال ہی اسلامی مزاج ہے۔ نرمی جس چیز میں شامل ہو جاتی ہے اسے

زینت بخشتی ہے، اور جس سے نکل جاتی ہے اسے بدنما کر دیتی ہے۔اختلافات کو نرمی، علم، اور صبر کے ساتھ حل کرنا معاشرتی امن کا ذریعہ ہے، جبکہ سختی اور تشدد اسے بدصورت بنادیتے ہیں ۔یہی انتہاپسندی کی نفسیاتی واخلاقی بنیاد ہے۔

الغرض انتہاپسندی کا اثر خاندانی اور سماجی زندگی پر نہایت گہرا اور تباہ کن ہوتا ہے۔جب معاشرے میں برداشت، رواداری اور اعتدال کا دامن چھوڑ دیا جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کے اثرات گھر کے ماحول پر ظاہر ہوتے ہیں۔انتہا پسند رویے والدین اور اولاد کے درمیان احترام اور اعتماد کو ختم کر دیتے ہیں۔گھر کی فضامیں سختی، نفرت اور عدمِ برداشت پیدا ہو جاتی ہے جس سے خاندانی نظام کمزور ہو جاتا ہے۔ایسے ماحول میں نسلِ نو مثبت تربیت حاصل نہیں کر پاتی اور معاشرتی توازن بگڑ جاتا ہے۔ سماجی سطح پر انتہا پسندی اختلافِ رائے کو دشمنی میں بدل دیتی ہے اور معاشرے میں تقسیم، خوف اور بے اعتمادی کو جنم دیتی ہے۔افراد ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں اور تعاون کی بجائے تصادم عام ہو جاتا ہے۔اس کے نتیجے میں سماجی ادارے کمزور پڑ جاتے ہیں، انصاف اور مساوات کے اصول مجروح ہوتے ہیں، اور امن و سکون کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرتی و خاندانی زندگی میں برداشت، مکالمہ اور اعتدال کے اصولوں کو فروغ دیا جائے تاکہ ایک متوازن، پرامن اور باہمی احترام پر مبنی معاشرہ تشکیل پاسکے۔

حواشی

(1)سورۃ البقرہ: 143

(2) سنن ابن ماجہ، ابی عبد اللہ محمد بن یزید ، سنن ابن ماجہ، دار الجیل بیروت، حدیث: 3029

(3)الشریف الرضی، الشریف أبوالحسن محمد بن الحسن، نہج البلاغۃ، تحقیق الشیخ قیس، مؤسسہ الرافد للمطبوعات، حکمت 70

(4) امام احمد، ابی عبداللہ احمد بن حنبل، الزھد، دار الغد الجدید، الطبعۃ الأولی 2005، ص 267

(5)الحسن بن علی بن شعبہ الحرانی، تحف العقول عن آل الرسول، المطبعۃ الحیدریہ ومکتبتھا، النجف ، ، ص 321

(6)الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد الطوسی، إحیاء علوم الدین، دار المعارف، بیروت، ج ا ص 15

(7)ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابي بکر، مدارج السالکین، المحقق: محمد المعتصم باللہ، دار الکتاب العربي بیروت 1416 ، ، ج 2، ص 310

(8) الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد الطوسی، احیاء علوم الدین، ج 3، ص 56

(9) ابن القیم، شمس الدین محمد بن ابي بکر، الفوائد، مکتبہ دار عالم الفوائد، ریاض، سعودی عرب، ص 63

(10)الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد الطوسی ' إحیاء علوم الدین، ج 3، ص 12

(11) ابن القیم، الفوائد، مکتبہ دار عالم الفوائد، ریاض، سعودی عرب، ص 63

(12) ابن القیم، شمس الدین محمد بن ابي بکر، مدارج السالکین، ج1، ص452

(13) ابن القیم، شمس الدین محمد بن ابي بکر، روضۃ المحبین ونزھۃ المشتاقین ط. مجمع الفقہ، ص149

(14) الدکتور یوسف القرضاوی، الإیمان والحیاۃ، دار الشروق، القاہرۃ، ص45

(15)، 86. عبدالواحد بن محمد التمیمي الآمدی، غرر الحکم ودرر الکلم، المفھرس من کلام أمیر المؤمنین علي بن ابی طالب دار الھادی بیروت لبنان ، رقم10422 ابن عبدالبر، یوسف عبداللہ بن محمد، الاستیعاب في معرفۃ الأصحاب المحقق: عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، مرکز ھجر للبحوث والدراسات العربیۃ والإسلامیۃ—مصر، ج3، ص1093

(16) أبو نعیم الأصبہانی، احمد بن عبداللہ الاصفہانی، حلیہ الأولیاء، السعادۃ، مصر، ج1، ص84

ابن عبدالبر، الاستیعاب في معرفۃ الأصحاب، ج3، ص1093

(17) أحمد بن حنبل الإمام، مسند، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 2001ء، ج1، ص160، حدیث نمبر1379، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج3، ص130، رقم4616، الحاکم نے اس حدیث کو "صحیح الإسناد" کہا ہے، اور الذھبي نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔

(18) ابن عبدالحکم، محمد بن عبداللہ، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، المکتبہ العربیہ، 1927، ص:56، ابن الجوزی، ابو الفرج عبدالرحمن بن ابی الحسن، صفۃ الصفوۃ، المحقق خالد مصطفی طرطوسی، دار الکتاب العربي، بیروت لبنان، 1433 ھ، ج2، ص128، ابو نعیم الاصبہانی، احمد بن

عبداللہ الاصفہانی، حلیہ الأولیاء، السعادۃ مصر، ج5، ص292

(19) ابن عبدالحکم، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص: ، ابن الجوزی، صفۃ الصفوۃ، ج ، ص

(20) ابن عساکر، ثقۃ الدین، ابو القاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ، دار الکتاب العربي—بیروت، ، تبیین کذب المفتری، ص68

(21) ابن مفلح الحنبلی، ت شعیب الأرناؤوط، مؤسسۃ الرسالہ 1419 – 1999، الآداب الشرعیہ، ج1، ص234

(22) ابن الجوزي، صفۃ الصفوۃ، ج3، ص227

(23) ابن عبدالبر، ابو عمر یوسف بن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، المحقق: ابو الأشبال الزہیری، دار ابن الجوزي، ج 2، ص 91

(24) ابن تیمیہ، الحرانی، ابو العباس، احمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاوی، وزارۃ الشؤون الإسلامیۃ والدعوۃ والإرشاد السعودیۃ، ، ج28، ص146

(25) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، المحقق: نظر بن محمد الفاریابي أبو قتیبۃ، الناشر: دار طیبہ، 2006ء، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الرفق، حدیث:2594

1. Surah al-Baqarah: 143
2. Sunan Ibn Majah, Abi ‘Abdullah Muhammad bin Yazid, Sunan Ibn Majah, Dar al-Jeel, Beirut, Hadith: 3029
3. Al-Sharif al-Radi, al-Sharif Abu al-Hasan Muhammad bin al-Hasan, Nahj al-Balaghah, Tahqiq: al-Shaykh Qays, Mu’assasat al-Rafid lil-Matbu‘at, Hikmat 70

4. Imam Ahmad, Abi ʻAbdullah Ahmad bin Hanbal, al-Zuhd, Dar al-Ghad al-Jadid, Tabaʻah Ula 2005, Safhah 267
5. Al-Hasan bin ʻAli bin Shuʻbah al-Harrani, Tuhaf al-ʻUqul ʻan Aal al-Rasool, al-Matbaʻah al-Haydariyyah wa Maktabatuha, al-Najaf, 1963, Safhah 321
6. Al-Ghazali, Abu Hamid Muhammad bin Muhammad al-Tusi, Ihya ʻUlum al-Din, Dar al-Maʻarif, Beirut, Jild 1, Safhah 115
7. Ibn Qayyim, Shams al-Din Muhammad bin Abi Bakr, Madarij al-Salikin, Muhaqqiq: Muhammad al-Muʻtasim Billah, Dar al-Kitab al-ʻArabi, Beirut 1416, Jild 2, Safhah 310
8. Al-Ghazali, Abu Hamid Muhammad bin Muhammad al-Tusi, Ihya ʻUlum al-Din, Jild 3, Safhah 56
9. Ibn al-Qayyim, Shams al-Din Muhammad bin Abi Bakr, al-Fawa'id, Maktabah Dar ʻAlam al-Fawa'id, Riyadh, Saudi Arabia, Safhah 63
10. Al-Ghazali, Ihya ʻUlum al-Din, Jild 3, Safhah 12
11. Ibn al-Qayyim, al-Fawa'id, Maktabah Dar ʻAlam al-Fawa'id, Riyadh, Saudi Arabia, Safhah 63
12. Ibn al-Qayyim, Shams al-Din Muhammad bin Abi Bakr, Madarij al-Salikin, Jild 1, Safhah 452
13. Ibn al-Qayyim, Shams al-Din Muhammad bin Abi Bakr, Rawdat al-Muhibbin wa Nuzhat al-Mushtaqin, Tabaʻah Majmaʻ al-Fiqh, Safhah 149
14. Dr. Yusuf al-Qaradawi, al-Iman wal-Hayah, Dar al-Shuruq, al-Qahirah, Safhah 45
15. ʻAbd al-Wahid bin Muhammad al-Tamimi al-Amadi, Ghurar al-Hikam wa Durar al-Kalim, Mufahras min Kalam Amir al-Mu'minin Ali bin Abi Talib, Dar al-Hadi, Beirut, Lebanon;
Ibn ʻAbd al-Barr, Yusuf ʻAbdullah bin Muhammad, al-Istiʻab fi Maʻrifat al-Ashab, Muhaqqiq: ʻAbdullah bin ʻAbd al-Muhsin al-Turki, Markaz Hajr lil-Buhuth wal-Dirasat al-ʻArabiyyah wal-Islamiyyah – Misr, Jild 3, Safhah 1093
16. Abu Nuʻaym al-Asbahani, Ahmad bin ʻAbdullah al-Isfahani, Hilyat al-Awliya', al-Saʻadah, Misr, Jild 1, Safhah 84;
Ibn ʻAbd al-Barr, al-Istiʻab fi Maʻrifat al-Ashab, Jild 3, Safhah 1093
17. Ahmad bin Hanbal, al-Imam, Musnad, Mu'assasat al-Risalah, Beirut, 2001, Jild 1, Safhah 160, Hadith 1379;
Al-Mustadrak ʻala al-Sahihayn lil-Hakim, Jild 3, Safhah 130, Raqm 4616 — al-Hakim declared this hadith "Sahih al-Isnad" and al-Dhahabi also confirmed it.
18. Ibn ʻAbd al-Hakam, Muhammad bin ʻAbdullah, Sirat ʻUmar bin ʻAbd al-ʻAziz, al-Maktabah al-ʻArabiyyah, 1927, Safhah 56;
Ibn al-Jawzi, Abu al-Faraj ʻAbd al-Rahman bin Abi al-Hasan, Sifat al-Safwah, Muhaqqiq: Khalid Mustafa Tartosī, Dar al-Kitab al-ʻArabi, Beirut, Lebanon, 1433H, Jild 2, Safhah 128;
Abu Nuʻaym al-Asbahani, Hilyat al-Awliya', al-Saʻadah, Misr, Jild 5, Safhah 292
19. Ibn ʻAbd al-Hakam, Sirat ʻUmar bin ʻAbd al-ʻAziz, Safhah 59;
Ibn al-Jawzi, Sifat al-Safwah, Jild 2, Safhah 129
20. Ibn ʻAsakir, Thiqah al-Din, Abu al-Qasim ʻAli bin al-Hasan bin Hibatullah, Dar al-Kitab al-ʻArabi – Beirut, 1404H, Tabyeen Kadhib al-Muftari, Safhah 68
21. Ibn Muflih al-Hanbali, Tahqiq: Shuʻayb al-Arna'ut, Mu'assasat al-Risalah 1419–1999, al-Adab al-Sharʻiyyah, Jild 1, Safhah 234

22. Ibn al-Jawzi, Sifat al-Safwah, Jild 3, Safhah 227
23. Ibn ʻAbd al-Barr, Abu ʻUmar Yusuf bin ʻAbd al-Barr, Jamiʻ Bayan al-ʻIlm wa Fadlih, Muhaqqiq: Abu al-Ashbal al-Zuhayri, Dar Ibn al-Jawzi, Jild 2, Safhah 91
24. Ibn Taymiyyah al-Harrani, Abu al-ʻAbbas Ahmad bin ʻAbd al-Halim, Majmuʻ al-Fatawa, Wizarat al-Shu'un al-Islamiyyah wad-Daʻwah wal-Irshad, Saudi Arabia, Jild 28, Safhah 146
25. Muslim bin Hajjaj, Sahih Muslim, Muhaqqiq: Nazar bin Muhammad al-Fariyabi Abu Qutaybah, Dar Taybah, 2006, Kitab al-Birr wal-Silah, Bab Fadl al-Rifq, Hadith 2594